© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

شوال کی اشاعت میں اعلان کیا گیا تھا کہ وسط ذی القعدہ ۵۶ھ میں دفتر ترجمان القرآن حیدرآباد سے دارالاسلام منتقل ہو جائیگا۔ لیکن اُس وقت اُن مشکلات کا اندازہ نہ تھا جو بعد میں پیش آنے والی تھیں۔ اگرچہ اعلان کے مطابق ذی القعدہ ہی میں دفتر منتقل کر دیا گیا، اور ذی القعدہ کا پرچہ بھی دارالاسلام سے شائع ہوا، مگر صاحب دفتر کو حیدرآباد کی سرزمین پکڑ کر بیٹھ گئی اور وسط محرم تک اس کو نہ چھوڑا۔ جن لوگوں کو ترکِ وطن کی مصیبت سے کبھی سابقہ ہوا ہے وہ خود ہی اُن مشکلات کا اندازہ کر سکتے ہیں جو مجھے پیش آئی ہونگی۔ دس سال تک جو شخص ایک جگہ رہا ہو، اور من کل الوجوہ اسکو وطن بنا چکا ہو اس کے لیے یکایک اپنا گھر بار اٹھا کر ڈیڑھ ہزار میل دور لے جانا بہرحال کچھ نہ کچھ پریشانیوں کا موجب تو ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہ پریشانیاں پیش آئیں اور انہی کی وجہ سے ذی الحجہ اور محرم کے پرچے شائع نہ ہو سکے۔

رسالہ کے ناظرین کو پہلے ہی سے پرچہ کے بروقت شائع نہ ہونے کی شکایت تھی۔ اب اتنے طویل التوا نے ان کو بالکل بے صبر کر دیا اور دفتر میں شکایات کے انبار لگ گئے۔ میں درحقیقت اس بات پر بہت شرمندہ ہوں کہ خریداروں کو بار بار شکایت کا موقع ملتا ہے لیکن اگر اس رسالہ کے ناظرین میں یہ احساس پیدا ہو چکا ہے کہ وہ محض رسالہ کے خریدار نہیں ہیں بلکہ میرے رفیقِ کار ہیں تو انکا رفیق ان سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اسکی مشکلات میں شکایت سے زیادہ ہمدردی کام لینگے۔

اگر کوئی غیر متوقع صورت نہ پیش آئی تو انشاء اللہ ذی الحجہ، محرم، اور صفر کے پرچے پے درپے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شائع کرکے، ربیع الاول سے رسالہ کی اشاعت ٹھیک وقت پر ہونے لگے گی، وما توفیقی الا باللہ

ماہ فروری کے معارف میں جناب مولانا سید سلیمان ندوی نے ترجمان القرآن اور اسکے ایڈیٹر، اور دارالاسلام کی تجویز کا جس ہمدردانہ اور پُرخلوص انداز کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، اسکے لیے میں ان کا تہ دل سے شکرگذار ہوں - اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کو جاننے کے باوجود میں نے اب جن ذمہ داریوں کا بار اٹھانے کی ہمت کی ہے، ان کو سنبھالنے اور ان سے سبکدوش ہونے کے لیے میں ہندوستان کے معدودے چند بزرگوں کی اخلاقی اعانت پر اعتماد رکھتا ہوں اور ان میں سے ایک مولانا بھی ہیں - اپنی قدیم نیاز مندی کی بنا پر میں انکی عنایات و توجہات کا صرف متوقع ہی نہیں ہوں، بلکہ شائد حقدار بھی ہوں -

---

اسی سلسلہ میں مولانا نے دو چیزوں کی شکایت بھی فرمائی ہے -

پہلی شکایت کی بنا یہ ہے، کہ گذشتہ ماہ شعبان کے اشارات میں مولانا کی اُس تقریر سے ایک اقتباس کر درج کیا گیا تھا جو انہوں نے مدراس میں ارشاد فرمائی تھی اور انصاری، الجمعیت، مدینہ اور بعض دوسرے اخبارات میں شائع ہوئی تھی - میرے نزدیک وہ تقریر مفادِ اسلامی کے خلاف تھی اسلیے میں نے اپنا فرض ادا کرنے کی خاطر اس پر تنقید کی - مولانا کو اس پر یہ شبہ ہوا کہ شائد میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو گیا ہوں جن کیلیے "پروپیگنڈا ایک فن (؟ فن ہی نہیں پیشہ) کی حیثیت اختیار کر چکا ہے"، اور یہ کہ میں نے قصداً انکی ذاتِ گرامی پر حرف لانے کے لیے ان کے ارشادات کی "تردید میں ان موشگافیوں اور نازک استنباطوں سے کام لیا ہے جو کہنے والے (یعنی خود مولانا) کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں" -

اگر اسکے ساتھ ہی مولانا تھوڑی سی مزید تکلیف گوارا فرما کر یہ بھی لکھ دیتے تو بہتر ہوتا کہ جو فقرے میں نے اپنے مضمون میں نقل کیے ہیں، آیا وہ انہی کے ہیں یا غلط طور پر انکی طرف منسوب کیے گئے ہیں، اور اگر وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہی کے ہیں تو ان کا صحیح مطلب کیا ہے۔ اس صورت میں مجھے اپنی غلطی معلوم ہو جاتی، اور میں کھلے دل کے ساتھ انکی خدمت میں معافی کی درخواست پیش کرتا۔ لیکن بحالتِ موجودہ میں یہ کہنے پر پھر مجبور ہوں کہ مولانا نے اپنی مدراس کی تقریر میں (جسکی شائع شدہ رپورٹ کے صحیح ہونے سے اب بھی انہوں نے انکار نہیں فرمایا ہے) جو کچھ فرمایا تھا وہ نامناسب تھا، اور امتِ مسلمہ کے ایک ذمہ دار فرد ہونے کی حیثیت سے جو فرائض مولانا پر عائد ہوتے ہیں انکے لحاظ سے وہ اور بھی زیادہ قابلِ اعتراض تھا۔

میں یہ سمجھنے سے بالکل معذور ہوں کہ اس نازک دور میں ہمارے ذمہ دار رہنماؤں، اور خصوصاً کانگریس کی طرف میلان رکھنے والے بزرگوں نے مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے تحریر کے بجائے تقریروں اور پرائیویٹ صحبتوں کو کیوں پسند فرمایا ہے۔ اگر وہ واضح طور پر اپنے خیالات تحریر فرمائیں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ انکے پاس کیا دلائل ہیں۔ اس صورت میں ایک مستند بیان کی بنیاد پر اچھی طرح بحث کی جا سکتی ہے، اور صحیح کو غیر صحیح سے منقح کر کے عام مسلمانوں کے سامنے ایک شاہراہِ مستقیم پیش کی جا سکتی ہے۔ لیکن وہ تحریر میں تو اپنے خیالات پیش نہیں کرتے اور منتشر طور پر جلسوں میں تقریریں کر دیتے ہیں۔ پہلے تو خود سامعین کے خیالات میں ان تقریروں سے انتشار پیدا ہوتا ہے۔ پھر انکی غیر مستند رپورٹیں اخبارات میں شائع ہوتی ہیں اور ان سے مزید انتشار رونما ہوتا ہے۔ جو لوگ ان سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ انہیں مسلمانوں میں لیے پھرتے ہیں کہ دیکھو فلاں عالمِ دین اور فلاں بزرگ قوم بھی وہی کہتے ہیں جو ہم کہہ رہے ہیں۔ جو لوگ ان سے اختلاف رکھتے ہیں وہ محض اس خیال سے تنقید کی جرأت نہیں کر سکتے کہ کہیں رپورٹ غلط نہ ہو اور بعد میں تردید نہ ہو جائے۔ اس طرح یہ ناقابلِ اعتبار تقریریں بلکہ میں پھیلتی رہتی ہیں اور فاضل خطیب خاموشی کے ساتھ ان کو دیکھتے رہتے ہیں۔ تردید اور توجیہ کی ضرورت ان کو صرف اس وقت محسوس ہوتی ہے جب اس قسم کی ”ایک آدھ ناتمام تقریر“ کے برے اثرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو دیکھ کر کوئی شخص مجبوراً اس پر تنقید کرتا ہے۔ یہ طریقِ کار جن بزرگوں نے اپنے لیے پسند کیا ہے، میرے نزدیک تو وہ غالباً اپنی ذمہ داریوں کے احساس سے غافل ہیں۔ انہوں نے شاید ابھی تک یہ محسوس ہی نہیں کیا ہے کہ مسلمان اس وقت کیسی خطرناک پراگندہ خیالی میں مبتلا ہیں، اور اس حال میں ان کو واضح رہنمائی کی کسقدر سخت ضرورت ہے۔

کاش میری ہی تنقید کا یہ اثر ہوتا کہ مولانا اپنے خیالات تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیتے۔ لیکن انہوں نے بس اتنا لکھ کر بحث ختم کر دی کہ "مجھے ان کے (یعنی ایڈیٹر ترجمان القرآن کے) مقدمات اور اصل مقصد سے پورا اتفاق ہے، اختلاف ہے تو ان کی تحریر کے نتائج اور طریقِ کار سے"۔ میں نے اس فقرے سے روشنی حاصل کرنے کی بہت کوشش کی، مگر مجھے کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ میری تحریر کے کن نتائج سے کیا اور کیوں اختلاف ہے اور میرا طریق کار اگر پسند نہیں، تو اس سے بہتر کیا طریق کار مولانا کے پیش نظر ہے، اور اس کو بیان کرنے کے لیے اور کس وقت کا انتظار ہے۔

مجھے یہ اعتراض صرف مولانا سید سلیمان ندوی ہی پر نہیں ہے، بلکہ صفِ اول کے ان تمام علماء پر ہے جو اپنی عملی جدوجہد یا زبانی ہمدردی سے مسلمانوں کو ہندوستانی قومیت اور ڈیماکریسی کے خطرناک جال کی طرف ہانکے لیے جا رہے ہیں، یا اس جال میں ان کو پھنستے ہوئے خاموشی کے ساتھ بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک بزرگ نے بھی آجتک مسلمانوں کو یہ نہ بتایا کہ جس راستہ کی طرف وہ انہیں دعوت دے رہے ہیں، یا جس راستہ پر انکے جانے کو گوارا کر رہے ہیں، اسکے صراطِ مستقیم ہونے پر کیا دلائل انکے پاس ہیں۔ مولانا ابوالکلام جنکی سابقہ خدمات کے اعتماد پر بہت سے مسلمان آج آنکھیں بند کر کے انکے پیچھے چلے جا رہے ہیں، انکی ایک آدھ تحریر اور "ایک آدھ ناتمام تقریر" کے سوا آج تک کوئی چیز سامنے نہیں آئی، اور لطف یہ ہے کہ جو چیز سامنے آئی ہے اس میں بھی بجز خطابت اور سفسطہ کے کسی معقول استدلال کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ مولانا حسین احمد صاحب جنکے علم و فضل، تقویٰ و طہارت،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایثار و فدویت، اور مرکزی شخصیت کے اعتماد پر علماء کا ایک بڑا گروہ راہِ راست سے ہٹ گیا ہے، معتقدین اور
معتقدین کے سامنے تو بہت کچھ فرماتے ہیں، مگر ناقدین کے سامنے کوئی مستند اور مفصل بیان پیش کرنے کی
آجتک انہوں نے تکلیف نہ فرمائی۔ انکے بعض مکتوبات کبھی کبھی اخبارات میں شائع ہو جاتے ہیں، مگر
ان کو پڑھ کر یہ شبہ اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے کہ مولانا حالاتِ حاضرہ سے قطعاً بے خبر ہیں اور انہوں نے
ابتک یہ سمجھا ہی نہیں کہ واقعات کی رفتار ہندوستان کو کدھر لیے جا رہی ہے، اور مسلمانانِ ہند کے
قومی مسئلہ نے اب کیا نوعیت اختیار کر لی ہے۔ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جنکی ذمہ داری بحیثیت
صدر جمعیت علمائے ہند سب سے بڑھ کر ہے، بالکل خاموش ہیں، اور جمعیت العلماء کے ارکان
اپنے اپنے ذاتی رجحانات کی بنا پر جدھر منہ اٹھ رہا ہے چلے جا رہے ہیں، گویا کہ جمعیت واقع میں ختم
ہو چکی ہے، مگر اس کا نام باقی ہے اور اس نام سے ہر شخص کو حسبِ منشاء فائدہ اٹھانے اور مسلمانوں کی رائے پر اثر
ڈالنے کا اختیار حاصل ہے۔ جمعیۃ العلماء نے آجتک کانگریس کی غیر مشروط شرکت اور مسلم ماس کانٹیکٹ
کی حمایت کا فیصلہ نہیں کیا۔ مگر جمعیت کا اخبار اور جمعیت کے ممتاز ارکان اور اس کے ذمہ دار کارکن
مسلمانوں کو اس مہلک راستے کی طرف کھینچے لیے جا رہے ہیں اور مسلمان سمجھ رہے ہیں کہ یہ جمعیت کی
پالیسی ہے۔ یہ آخر کیا صورتِ حال ہے اور کب تک جاری رہیگی؟ ان بزرگوں کے مراتب عالیہ کا احترام
مانع نہ ہوتا تو میں انکو چیلنج دیتا کہ اگر آپ کے پاس کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ یا بدرجۂ آخر عقل ہی سے
اس طرزِ عمل کیلیے کوئی دلیل ہے تو اسے سامنے کیوں نہیں لاتے تاکہ ہم بھی اسے دیکھیں اور حق ہو تو
اسکا اتباع کریں۔ اور اگر آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں، اور محض اپنے نفس کے رجحانات ہیں تو آپ کو

۱؎ مولانا کی اس بے خبری کو دور کرنے کے لیے متعدد چیزیں انکی خدمت میں پیش کی گئیں تاکہ وہ ان کو پڑھ کر رائے قائم فرمائیں۔ مگر ہمیشہ یہی معلوم ہوا کہ مولانا کو ان کے پڑھنے کی فرصت نہیں ملی۔ سوال یہ ہے کہ جب مولانا کو مطالعہ کیلیے فرصت نہیں ملتی تو قوم کی رہبری کے لیے کیوں فرصت مل جاتی ہے؟ حالات زمانہ اور مسائل وقت سے بے خبر رہ کر قوم کی رہبری کرنا ایک امر عجیب ہے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا حق ہے کہ اس قوم کو اپنے رجحاناتِ نفس کے اتباع کی دعوت دیں جو آپ پر عالمِ دین ہونے کی حیثیت سے بھروسہ کرتی ہے، نہ کہ عمرو زید ہونے کی حیثیت سے۔

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جنھوں نے پروپیگنڈا، اور شخصی نزاعات اور سب و شتم کو اپنا پیشہ بنالیا ہے۔ بزرگان قوم کی پگڑیاں اچھالنے والوں، اور سیاسی اختلافات کو ذاتی عداوت میں تبدیل کرنے والوں کی روش سے میں ہمیشہ بیزار رہا اور آج بھی بیزار ہوں۔ جو لوگ مجھے جانتے ہیں وہ اس حقیقت کو بھی جانتے ہیں۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر کوئی تکلیف دہ بات نہیں ہوسکتی کہ اپنی قوم کے جن اکابر کا انتہائی احترام میرے دل میں ہے، ان کے خلاف زبان کھولوں۔ اکابر قوم تو درکنار ایک عامی مسلمان کی عزت بھی میرے لیے نہایت بیش قیمت ہے۔ لیکن صرف دو چیزیں ہیں جو مجھکو اس وقت زبان کھولنے پر مجبور کررہی ہیں۔ ایک یہ کہ میرے نزدیک خدا کا دین اور اسکی امت مسلمہ کا مفاد دنیا کی ہر شے اور ہر تعلق سے زیادہ قیمتی ہے، اور جب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص دانستہ یا نادانستہ اسکو نقصان پہنچا رہا ہے تو میں اسکی مزاحمت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، خواہ وہ میرا قریب ترین عزیز ہو، دوست ہو، استاد ہو یا میری قوم کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی ہو۔ اس معاملہ میں کسی تعلق یا کسی نیازمندی کی پرواہ کرنے سے میں بالکل معذور ہوں۔ جس کسی کو میرے اس طرزِ عمل سے تکلیف ہو وہ اگر اپنا حق پر ہونا دلیل سے ثابت کردیگا تو میں نہ صرف اپنی غلطی کا اعتراف کرونگا، بلکہ نہایت ادب سے معافی بھی چاہونگا خواہ وہ دنیوی لحاظ سے حقیر ترین آدمی ہو۔ اور اگر وہ مجرد شکایت کریگا تو میں صاف عرض کرونگا کہ حق کے معاملہ میں بڑے اور چھوٹے، اپنے اور پرائے کی تمیز سے مجھے معاف رکھا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس شخص کو میں کسی دینی یا قومی معاملہ میں غلطی کرتے ہوئے دیکھتا ہوں، خود اسکی عاقبت کا خیال مجھے مجبور کرتا ہے کہ دنیا ہی میں اس کو اصلاح کی طرف لانے کی کوشش کروں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے نزدیک ہر مسلمان کا اور خصوصاً مسلمانوں کے علماء اور اکابر کا میرے اوپر یہ حق ہے کہ ان کو ایسی غلطیوں سے بچانے کی کوشش کروں جنکے متعلق میں اپنی تحقیق کے مطابق یہ سمجھتا ہوں کہ خدا کے ہاں وہ ان پر ماخوذ ہونگے، اور یہی حق میرا بھی دوسروں پر ہے، اگر وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں۔ لوگوں کو میری نیت پر شبہ کرنے کا اختیار ہے، مگر میرا ضمیر اپنی جگہ مطمئن ہے کہ میں جس سے اختلاف کرتا ہوں اسکی بھی خیرخواہی میرے دل میں ہوتی ہے، نہ کہ بدخواہی۔

اس وقت میں علیٰ وجہ البصیرت یہ سمجھ رہا ہوں کہ جو لوگ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کو انکی تاریخ کے اس نازک ترین دور میں اُس راستہ کی طرف لے جا رہے ہیں جس میں انکے جان و مال کا نہیں بلکہ ایمان اور اخلاق کا زیاں ہے، وہ اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں کہ شائد قیامت کے روز خدا کی میزان میں وہ اپنی عمر بھر کی عبادتوں اور اپنی تمام دینی خدمات کو اس ایک گناہ کی بدولت ضائع ہوتے دیکھ کر ہک دک رہ جائینگے۔ اسلیے سراسر انکی خیرخواہی کا جذبہ مجھے یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ حق اور باطل کے فیصلہ کو اُس روز کے لیے نہ چھوڑو جب تلافی کا وقت باقی نہ رہیگا۔ خدا کی کتاب، اسکے رسول کی سنت، اور اسکی دی ہوئی عقل، تینوں چیزیں احقاق حق و ابطال باطل کیلیے یہیں موجود ہیں۔ آؤ! ان کے ذریعہ تحقیق کرلیں کہ حق کیا ہے۔ اُس شخص کی طرح نہ ہو جسکے متعلق قرآن میں آیا ہے کہ وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ (جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈر، تو جھوٹی عزت کا خیال اس کو پکڑے اور وہ گناہ پر جما رہے)۔ خطابت، سخن پروری، سفسطہ، منطقی اینچ پینچ، سب اس دنیا ہی میں چل سکتے ہیں۔ آخرت میں نہیں چل سکتے۔ بندوں کا منہ بند کر سکتے ہیں۔ خدا کا منہ بند نہیں کر سکتے۔ ہم تم سے وہ جواب نہیں چاہتے جو دنیا والوں کو دے کر چپ کیا جاتا ہے۔ ہم وہ جواب چاہتے ہیں جو تم نے خدا کی عدالت میں پیش کرنے کے لیے اٹھا رکھا ہے۔ شائد کہ یہیں اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غلطی واضح کی جا سکے، اور تم خدا کی پکڑ سے بچ جاؤ۔

علماء کا مرتبہ یقیناً بڑا ہے، اور ان کا احترام ہر مسلمان پر واجب ہے، مگر ان کا مرتبہ جتنا بڑا ہے اتنی ہی بڑی انکی ذمہ داری بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انبیائے بنی اسرائیل سے تشبیہ دی ہے، یعنی جس طرح بنی اسرائیل کے انبیاء اپنی قوم کی ہدایت کے ذمہ دار اور اس کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ تھے، اسی طرح خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علمائے اسلام مسلمانوں کی ہدایت کے ذمہ دار ہیں، اور اگر انکی غفلت یا غلط رہنمائی سے مسلمانوں میں کوئی گمراہی پھیلے تو وہ خدا کے سامنے اسکے جوابدہ ہونگے۔ اسی بنا پر حضور نے اپنی امت کیلیے جن تین چیزوں کو سب سے زیادہ خطرناک بتایا ہے ان میں اولین چیز زَلَّةُ العالم (عالم کی لغزش) ہے، کیونکہ عالم کی لغزش ایک پوری قوم کیلیے موجبِ ضلالت بن سکتی ہے۔ اسی بنا پر بزرگوں نے عالم کی لغزش کو کسرِ سفینہ سے تشبیہ دی ہے، کہ جس طرح کشتی کے ٹوٹنے سے اسکے تمام مسافر ڈوب جاتے ہیں، اسی طرح عالم کی غلط روی سے لاکھوں کروڑوں بندگانِ خدا قعرِ ضلالت میں جا گرتے ہیں۔ اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے علماء کی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان میں خوفِ خدا ہونا چاہیے (اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ) کیونکہ خدا کا خوف اور یوم الحساب کی بازپرس کا خطرہ ہی انسان کو ضالّ و مضل بننے سے بچا سکتا ہے۔

پس ہندوستان کے جو علمائے کرام خدا اور رسول کے ارشادات کو سند میں لا کر دعوے کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی رہنمائی کا اصلی حق انہی کو پہنچتا ہے اور وہی اس قوم کے فطری لیڈر ہیں، انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حق نرا حق ہی نہیں ہے بلکہ اپنے ساتھ ذمہ داری کا بہت بڑا بوجھ بھی لاتا ہے۔ امتِ محمدیہ کے آٹھ کروڑ افراد کی رہنمائی کوئی کھیل نہیں ہے کہ اس کو انجام دینے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سہل انگاری برتی جائے جو برتی جارہی ہے۔ یہ ایسا نازک کام ہے کہ اس میں ذراسی لغزش ایک پوری قوم اور اس کی آئندہ نسلوں کیلیے تباہی اور گمراہی کا راستہ کھول سکتی ہے، اور اپنے مرتکبین کو خدا کے سامنے اس حال میں لیجاکر کھڑا کرسکتی ہے کہ ان کے سر پر صرف اپنے ہی گناہوں کا بوجھ نہ ہو، بلکہ موجودہ اور آئندہ دور میں جو جو مسلمان انکے کھولے ہوئے راستہ پر چل کر بدراہ ہوا اُس کے ہر ہر گناہ کا ایک حصہ انکے حساب میں بھی لکھ دیا گیا ہو، اور کروڑوں بندگانِ خدا انکے مقابلہ میں استغاثہ کررہے ہوں کہ رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَاءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا۔ رَبَّنَا اٰتِہِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْہُمْ لَعْنًا کَبِیْرًا۔ ایسے نازک کام کی ذمہ داریوں کا صحیح احساس جن رہنماؤں کے دل میں ہو، ان کے لیے تو راتوں کی نیند حرام ہو جانی چاہیے، ان کو تو ہر وقت تلاشِ حق میں بے چین رہنا چاہیے، ان کو تو اس خوف سے ہر وقت کانپتے رہنا چاہیے کہ نادانستگی میں وہ امت کو کسی غلط راستے پر نہ چلا لے جائیں، ان کو تو مشکوک راستوں سے بھی بچنا چاہیے، کجا کہ کسی راستہ کی غلطیاں، کسی راستے کے نقصانات، کسی راستے کے خوفناک امکانات ان کے سامنے کھول کھول کر پیش کیے جائیں، ان کو بار بار متنبہ کیا جائے، انہیں سمجھنے یا سمجھا دینے کی پیہم دعوت دی جائے، اور پھر بھی وہ کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے رہیں، اور اپنی کرنی سے باز نہ آئیں۔ جب علماء کی یہ روش ہو تو پھر انہیں بھی شکایت نہ کرنی چاہیے اگر قوم کی دوسری روش ہو۔

کلام کی رو میں بات کہیں سے کہیں چلی گئی۔ مجھے ابھی مولانا کی ایک اور بزرگانہ شکایت کا جواب دینا ہے۔

ماہ شوال (جنوری ۳۸ء) میں "متاعِ کارواں" کے عنوان سے "ساربان" کا جو مضمون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شائع ہوا ہے اسکے صفحہ ۵۷ ـ ۴۷۲ پر سندر لال جی الٰہ آبادی کا ایک خط نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے ستمبر ۳۶ء میں مہاتما گاندھی کے نام لکھا تھا ۔ یہ خط اکتوبر ۳۶ء کے "جامعہ" میں شائع ہوا اور اسکے بعد اردو کے مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے متعدد اخبارات و رسائل میں گشت کرتا رہا ۔ اس میں من جملہ اور باتوں کے ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ "مولانا سید سلیمان ندوی جیسے روادار جنہوں نے اپنی یوم النبی کی چھپی ہوئی تقریر میں بجائے حضرت محمدؐ کے سوامی محمدؐ لکھا ہے" مولانا کا ارشاد ہے کہ یہ محض بہتان ہے، انہوں نے کبھی ایسا نہیں لکھا ۔

میں اس پر نادم ہوں کہ میں نے تحقیق کیے بغیر اسکی اشاعت کو جائز رکھا ۔ یہ فروگذاشت صرف اس وجہ سے ہوئی کہ مولانا نے اسوقت تک اس الزام کی تردید نہیں فرمائی تھی، درانحالیکہ سندر لال صاحب کا یہ خط سال ڈیڑھ سال کی طویل مدت میں اس کثرت سے شائع ہو چکا تھا کہ مولانا اور دار المصنفین کے تمام ارکان کا اس سے بے خبر رہنا متصور نہ تھا ۔ تاہم عذر گناہ کا میں قائل نہیں، اپنی غلطی تسلیم کر کے مولانا سے معذرت خواہ ہوں ۔

دار الاسلام پہنچنے کے بعد پہلا کام جو کیا گیا وہ یہ تھا کہ یہاں کی مسجد کو اس علاقہ کیلیے مسجد جامع قرار دیکر پانچ پانچ میل تک کے دیہات میں اعلان کرا دیا گیا کہ آئندہ سے وہ جمعہ کی نماز پڑھنے کیلیے یہاں آیا کریں ۔ خطیب کے فرائض میں نے خود اپنے ذمہ لیے، اور نہایت سہل زبان میں، جس کو ایک ان پڑھ دیہاتی بھی سمجھ سکے، خطبات کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ الحمد للہ کہ اس کا اثر خاطر خواہ رونما ہوا ۔ پہلے جمعہ میں قریب قریب ۵۰ آدمی تھے ۔ دوسرے میں ۶۰ آئے، اور تیسرے میں ۱۵۳ تک تعداد پہنچ گئی ۔ اردو کے خطبہ سے لوگوں میں اتنی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے کہ ۵ میل کی حد سے باہر کے لوگ بھی خطبہ سننے کیلیے آجاتے ہیں ۔ اس سے زیادہ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ دیہات

© rasailojaraid.com